اصلِ زندگی

سیمی کرن

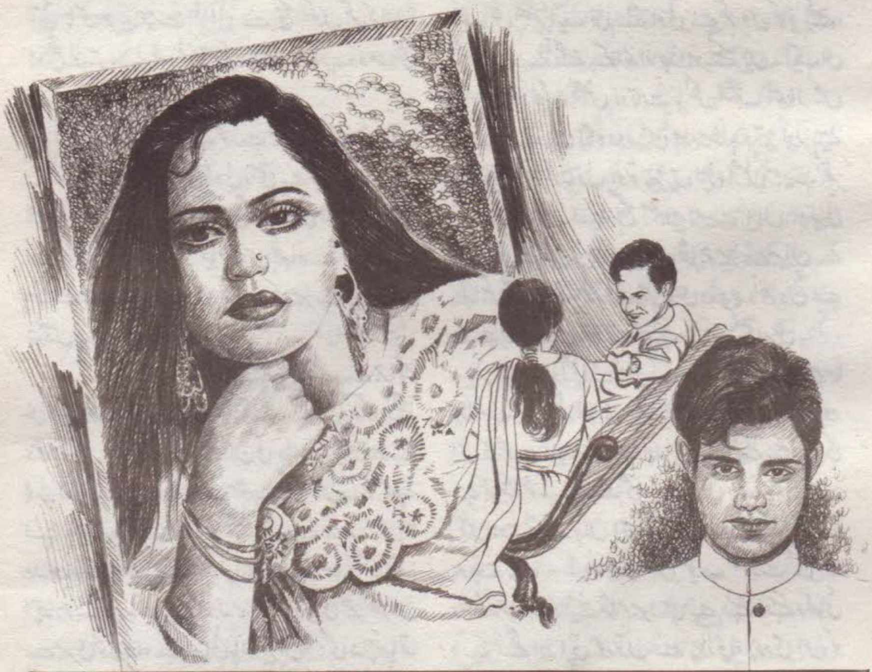

حسن تھا ناز تھا اور ادائے بانکپن جوبن پر تھی۔ ایسا کھلکھلاتا حسن کہ میں اس شوخ وچنچل کو ٹکٹکی باندھے دیکھے گئی اور یہ بھی بھول گئی کہ میں ایک پبلک پلیس پر اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوں......

حسن اس قدر خیرہ کُن تھا کہ میں صنفِ نازک ہوکر جیسے اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھی تھی، شاید میری محویت کچھ زیادہ گہری ہوگئی تھی کہ میں اپنے گردوپیش سے ہی بے خبر دکھائی دینے لگی تھی۔ جبھی میری بے خبری کو سب سے

پہلے میرے شوہر کی تیز نظروں نے بھانپا اور ذرا تیز اور دبے، دبے غصے کے ساتھ میری آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے بولے۔

''جی بیگم صاحبہ...... آپ پھر کہیں کھو گئی ہیں، حسبِ معمول کسی نئی سوچ میں گم ہیں یا کسی ملکی، بین الاقوامی مسئلے میں ڈوب کر غور و فکر بلکہ غم کھایا جا رہا ہے؟''

یہ سب سنتے ہی میں واپس ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی تا کہ مزید عزت افزائی سے بچ سکوں مگر کہاں؟ موقع تو میں نے خود فراہم کر دیا تھا اور اب وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہے تھے۔

''جانے کیسی عجیب عورت میرے حصے میں آئی ہے، ہر وقت مراقبے میں ڈوبی رہتی ہے جانے کن الجھے فلسفوں کی گتھیاں سلجھاتی پھرتی ہے، کسی فلاسفر کی بھٹکی روح لگتی ہو تم...... دور کیا جاؤں تمہارے ابا کے ہی اثرات لگتے ہیں، مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ میرے بچوں میں نہ کہیں یہ جراثیم آ جائیں۔''

''بے فکر رہیں آپ کے بچے ہیں، آپ کے جراثیم ہی لگیں گے اور میرے ابا آپ کے بھی کچھ لگتے تھے۔'' میں شاکی نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولی اور اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو گئی جس نے کیچپ اپنے ہاتھوں اور منہ پر لگا لیا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کا منہ اور ہاتھ صاف کیے، ماحول میں کچھ تناؤ سا آ گیا تھا۔ اچھا مزے کی بات یہ ہے کہ میرے شوہر کی تیز نظروں سے میری محویت، بے دھیانی یا استغراق تو کبھی نہ چھپا تھا مگر میری افسردگی، ماحول کا تناؤ یا تلخی کو کبھی انہوں نے محسوس نہیں کیا یا پھر قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

اب بھی وہ بڑے آرام سے پوچھنے لگے۔

''ایسا کیا خاص تھا جس میں تم مگن ہو گئی تھیں اور بالکل ہی مدہوش نظر آ رہی تھیں؟''

یہ سن کر میرا دھیان دوبارہ کچھ ہی دور بیٹھے اس جوڑے پر گیا جہاں اس حسنِ جہاں سوز نے میری نگاہ کو خیرہ کیا تھا نہ صرف خیرہ کیا تھا بلکہ میں اپنی کافی عزت افزائی بھی کروا چکی تھی۔ میری نگاہوں کے ارتکاز پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔

''ہاں تو ایسا کیا ہے وہاں؟ ہاں لڑکی کافی خوب صورت بلکہ بہت زیادہ خوب صورت ہے اور لڑکا بس ''ماٹھا'' سا ہی ہے ''ڈیٹ'' پر آئے ہوئے ہیں شاید یہ منظر تو تمہیں ہر ریسٹورنٹ میں نظر آ جائے گا۔ لاحول ولا میں سمجھا جانے کیا......'' وہ سرسری انداز میں بولے۔

بات تو ان کی واقعی صحیح تھی تھا تو کچھ ایسے ہی مگر ایک ہی منظر، ایک ہی شے ہوتی ہے مگر اس کو دیکھنے، محسوس کرنے، سمجھنے کے انداز جدا ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی تصور پر دو لوگ بعض اوقات بالکل مختلف انداز میں پینٹ کرتے ہیں نگاہ دور بین ہو، مشاہدہ تیز اور سینے میں دھڑ دھڑ کرتا دل ہو تو چیزیں اپنی اصل سمیت نظر آنے لگتی ہیں۔ اپنے صحیح مفہوم سمیت عیاں ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے میں تو بظاہر ایسا ہی تھا جو میرے میاں نے کہا مگر جتنی دیر ریسٹورنٹ میں رہی دزدیدہ نظروں سے گاہے بگاہے اس جوڑے کو چپکے، چپکے دیکھتی رہی۔

یہ جوڑا واقعی ڈیٹ پر آیا ہوا تھا لڑکا بظاہر عام سا مناسب سا تھا مگر ٹھاٹ باٹھ سے امیر دکھائی دیتا تھا اور اس کا ثبوت وہ ریسٹورنٹ تھا جہاں وہ بیٹھے تھے۔ لڑکی بے تحاشا خوب صورت تھی، ہلکے گلابی رنگ میں محسوس نہیں ہوتا تھا کہ کہاں اس کی جلد ختم ہو کر کپڑا شروع ہو جاتا ہے......! وہ لڑکی اتنی خوب صورت تھی کہ ریسٹورنٹ میں بیٹھے تمام مرد بن پیے بہکے، بہکے دکھائی دینے لگے اور اپنی عورتوں سے چوری، چوری اس کو دیکھتے رہے تھے حتیٰ کہ میں نے نوٹ کیا کہ میرے میاں نے بھی دو تین دفعہ یہ نگاہوں کی ہیرا پھیری کی تھی۔

لڑکی نے جدید تراش خراش کا انتہائی دیدہ زیب اور کچھ حد تک قابلِ اعتراض لباس پہن رکھا تھا، بازو تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے چست قمیص اور گہرا گلا دوپٹا اِدھر اُدھر ہونے سے اس کی گلابی جلد اور ہوش ربا جلوے...... جب ہال کے دیگر خواتین و حضرات کا برا حال تھا تو اس کے ساتھی لڑکے کی حالت جو تھی سو تھی اور کچھ ایسی بے جا بھی نہ تھی...... لگ نہیں رہا تھا کہ وہ

”ڈیٹ“ پر آیا کوئی جوڑا ہے بلکہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دربارِ حسن میں عاجزانہ کھڑا کوئی دربان تھا اور حسن کی بے اعتنائی و بے نیازی اپنے عروج پر تھی۔ وہ لڑکی اس سے واقعی کوئی شہزادی لگ رہی تھی اور وہ لڑکا عاجزانہ خوشامد کرتا اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ خوشی، انبساط و فخر سے گویا پھوٹا پڑتا تھا اس کی تمام وہ ادائیں جو کسی حد تک قابلِ اعتراض بھی تھیں وہ گویا ان پر بھی نازاں تھا اور اس کا رویہ ہال میں بیٹھے تمام افراد کو گویا چیخ، چیخ کر بتا رہا تھا کہ اس حسن کے خزانے کا پہرہ دار میں ہوں۔

وہ لوگ جتنی دیر بیٹھے رہے وہ لڑکا پروانہ وار اس حسن کی شمع پر نثار ہوتا رہا جس کی روشنی سے سارا ہال منور ہو رہا تھا۔ اِک توجہ طلب تھا اور اِک متوجہ بس مختصر الفاظ میں تو اس کو یونہی سمیٹا جا سکتا ہے اور جب وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے تو جیسے چراغوں میں روشنی نہ رہی ہال ایک دم پھیکا لگنے لگا۔ کچھ لوگ جو یونہی خواہ مخواہ بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی نکلنے لگے، بیرے جو بڑے مستعد سے دکھائی دے رہے تھے ایک دم سست سے نظر آنے لگے۔ ماحول یک دم بجھا، بجھا سا لگنے لگا یا پھر یہ کہ میں ہی اس لڑکی پر بری طرح فدا ہو گئی تھی اور یہ سب میرے اپنے محسوسات تھے میرا تخیل جو مجھے جانے کیا، کیا سمجھا رہا تھا۔

ہماری واپسی بھی اسی تناؤ بھرے ماحول میں ہوئی، میرے میاں کا مزاج اسی طرح میرے توجہ کے بٹ جانے پر برہم تھا اور وہ اپنے تاثرات اور گفتگو دونوں سے اپنی خفگی کا اظہار کر رہے تھے اور مشقِ ستم وہی میرا سنجیدہ اور بقول ان کے میرا فلسفیانہ مزاج! وہ اب بھی بڑبڑا رہے تھے۔

”ساری شام برباد کر کے رکھ دی اور پھر گلہ بھی مجھ سے کیا جاتا ہے کہ توجہ نہیں دیتے اور جب توجہ ہی کہیں اور مرکوز ہو تو بندہ کیا کرے...... اسی لیے میں اپنے آپ کو بزی رکھتا ہوں۔“

میں نے ٹھنڈی سانس بھری کبھی وہ وقت بھی تھا کہ میرا یہی مزاج و عادات میرے میاں کو میری جانب کھینچ لائی تھیں، متوجہ کر گئی تھیں۔ میرے میاں جو میرے پھوپی زاد تھے اور میرے ابا ان کے ماموں تھے...... میرے ابا فلسفے کے پروفیسر تھے اور ہم سب بہن، بھائی اپنے ابا سے بڑے متاثر تھے یہ غور و فکر اور سنجیدہ مزاج بقول میرے میاں کے ”فلسفیانہ مزاج“ مجھ میں میرے ابا سے ہی منتقل ہوا تھا مگر اب میرے اس مزاج سے وہ جیسے عاجز سے آچکے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ ہم کوئی بہت پریشان حال اور تکلیف دہ ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔ ہم ایک اچھی نارمل خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔ ہاں بس شاید مجھے کچھ توقعات زیادہ تھیں کہ میرے میاں کے پُرزور اصرار پر یہ شادی ہوئی تھی تو میرا یہ خیال تھا کہ میرے خوب ناز اٹھائیں گے مگر ہوا اس کے بالکل برعکس تھا بہرحال میں نے اس صورتِ حال سے سمجھوتا کر لیا تھا کہ ظاہر ہے بہت سی توقعات ان کو بھی مجھ سے ہوں گی جو پوری نہ ہو سکی ہوں گی کہ آخر میاں، بیوی کا رشتہ ہے ہی ایک دوسرے کی کمی و عیب کو ڈھک لینے کا...... اس لیے میں اپنی زندگی سے خوش و مطمئن تھی۔ کوئی ایسے مسئلے مسائل بھی نہ تھے خوشحالی تھی، بچے تھے اور شوہر کا ساتھ تھا۔ بس کبھی کبھار یہ پھانس سی ضرور تنگ کرتی کہ حسن، میرے میاں جو پہلے اتنا چاہت کا دم بھرتے تھے اب جیسے بالکل ہی بدل گئے تھے۔

ریسٹورنٹ سے واپس آنے کے بعد بھی میں اس لڑکی اور لڑکے کو بھول نہ سکی۔ کبھی کبھار یونہی کوئی کام کرتے، کرتے اچانک چھم سے یاد آجاتی۔

”کم بخت تھی بھی تو کس قدر خوب صورت اور وہ لڑکا اس کے سامنے کیسے بچھا، بچھا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بیک وقت فخر و غرور، عاجزی و خوشامد کے رنگ ایسے بکھرے ہوئے تھے کہ بالکل ہونق معلوم ہوتا تھا۔“

یہ سوچ کر میری ہنسی نکل گئی اور وہ لڑکی یوں جیسے تمام صورتِ حال کا مزہ لے رہی تھی اور اپنی اداؤں سے اسے مرغِ بسمل کی طرح تڑپا رہی تھی اور گو کہ خود بھی اس کے ساتھ آخر کسی جذبے کی ڈور سے بندھ کر ہی آئی ہو گی مگر ایسا لگتا تھا کہ اس لڑکے کو ابھی ”ہاں یا نہ“

کے بین لٹکا رکھا تھا۔
مجھے خود پر حیرت ہوئی میں نے کس عمیق نظری سے ان دونوں کا مشاہدہ کیا تھا یوں جیسے ان کو اندر تک پڑھ آئی تھی اور پھر اتنے گہرے استغراق پر ڈانٹ بھی کھائی تھی میرے اندر کوئی مسکایا۔

☆☆☆

کچھ دن یونہی آگے کو سرک گئے اور میں اس واقعے کو تقریباً بھول ہی گئی تھی کہ دوبارہ ڈنر کے لیے اسی ریسٹورنٹ جانے کا اتفاق ہوا۔ دراصل یہ شہر کا بہترین ریسٹورنٹ تھا اور ہمیں ہمارے بچوں سمیت یہاں کا کھانا اور ماحول دونوں بہت پسند تھے۔ ہم آج بھی وہیں بیٹھے تھے جہاں کم و بیش بیٹھا کرتے تھے۔ سامنے نظر اٹھی تو خالی ٹیبل پر پڑی اس خالی ٹیبل کو دیکھ کر وہ لڑکا اور لڑکی مجھے گویا دوبارہ سے یاد آ گئے اور جیسے سارا واقعہ ازسرِ نو تازہ ہو گیا۔
اس کے بعد دو تین مرتبہ ہمارا جانا ہوا میں جب، جب گئی اس ٹیبل پر نگاہ پڑی کبھی وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوتے اور کبھی وہ خالی ہوتی مگر اس ٹیبل کے ساتھ وہ لڑکا، لڑکی کچھ دیر کو مجھے یاد ضرور آتے۔
کچھ اور وقت گزرتا تو شاید وہ میرے ذہن سے محو ہی ہو جاتے کہ اس دفعہ ہم ڈنر کے لیے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد آئے تھے جب ہم اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تو ارد گرد نگاہ دوڑانے پر میں نے اس جوڑے کو دیکھا سو فی صد وہی لڑکا، لڑکی تھے گو کہ آج ہم اور وہ دونوں مختلف ٹیبلز پر تھے مگر اس کے باوجود میں نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا۔ گو کہ آج ان کی حالت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اب صاف یہ لگ رہا تھا کہ وہ نیا، نیا شادی شدہ جوڑا ہے بلکہ لڑکی شاید کچھ ماہ کے حمل سے تھی۔ اس کا چھوٹا سا ابھرا پیٹ اس کے چست کپڑوں سے ظاہر ہوتا تھا گو کہ وہ خود کو بڑے سے دوپٹے میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی مگر حیرت انگیز طور پر ان کے بدن جو زبانیں بولتے تھے جسے عرفِ عام میں باڈی لینگویج کہا جاتا ہے وہ اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ اگر وہ میرے ذہن پر کافی عرصے تک حاوی نہ رہے ہوتے تو شاید میں بھی انہیں نہ پہچان سکتی۔
وہ لڑکی، وہ حسین، بے تحاشا حسین لڑکی جو اپنی ناز و ادا، بانکپن سے شہزادی لگتی تھی اور اس کے دربارِ حسن کا وہ دربان...... گویا کسی جادو کی چھڑی سے دونوں اپنی حیثیتیں بدل چکے تھے وہ لڑکا اب بالکل کسی کرخت سے حاکم کے مانند اکڑا بیٹھا تھا...... چہرے کے تاثرات میں عجیب سی سنجیدگی و بے نیازی آ گئی تھی وہ پروانہ وار نثار ہوتا محبوب جانے کہاں جا چھپا تھا۔ چہرے کی سنجیدگی اور صحت میں بہتری کے باعث آج وہ کافی معقول لگ رہا تھا جبکہ لڑکی کے چہرے پر وہ تمام روایتی پژمردگی تھی جو تخلیق کے مراحل سے گزرتے ہوئے عورت کے چہرے پر ہوتی ہے۔ حیرت انگیز طور پر آج وہی عاجزی اور متوجہ رویّہ اس کا تھا۔
یہ سب جانے کیوں میرے لیے شاک سا تھا مجھے حیرت اور صدمے سے اِک جھٹکا سا لگا۔ میں نے لاشعوری طور پر اس لڑکے کو دیکھنے کے بعد اپنے شوہر کی جانب دیکھا۔ حیرت انگیز طور پر دونوں کے چہروں کے تاثرات میں گہری مماثلت تھی۔ دونوں چہرے میری نگاہوں میں گڈمڈ ہونے لگے۔ یوں محسوس ہوا کہ وہ لڑکا کبھی میرے شوہر کا چہرہ اوڑھ لیتا اور کبھی حسن اس کا چہرہ پہن کر میرے سامنے آ جاتے۔
مگر وہاں بیٹھے، بیٹھے زندگی کی بڑی اہم گتھی میں نے سلجھائی، حسن کے رویّے سے جو میں شاکی سی ہو جاتی تھی مجھے محسوس ہوا کہ سب شکایتیں اور گلے جیسے جاتے رہے۔ مجھے یوں لگا کہ مرد کی فطرت کا بڑا اہم نکتہ میرے ہاتھ لگ گیا تھا کہ مرد عورت کی طرف اس وقت تک پوری شدت سے ''متوجہ'' رہتا ہے جب تک وہ ''توجہ طلب'' رہتی ہے جونہی وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور یقیناً اپنی فطرت سے مجبور ہو کر وہ بہت جلد متوجہ ہو جاتی ہے پھر تمام عمر وہ ''متوجہ'' رہتی ہے اور مرد ''توجہ طلب'' بن کر اونچی مسند پر جا بیٹھتا ہے۔